

## ظلم کا نیا دور، انتشار کا نیا کھیل

عبدالغفار عزیز

دنیا میں جو بھی آیا، آزمایا گیا۔ کسی کی آزمائش اقتدار و اختیار، تاج وخت اور مال و دولت کے انباروں سے ہوئی اور کسی کی بھوک، افلاس، ظلم و قسم اور چھانی کے پھندوں سے۔ کامیاب وہی ٹھیکرا جس نے ہر دو صورتوں میں اپنے رب کی سچی اطاعت و بندگی اختیار کی۔ اپنا اصل ہدف، ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کو رکھا۔

آج کے قومی یا عالمی حالات پر نظر دوڑائی جائے، تو آزمائشوں کی یہ سنت الہی نقطہ عروج تک پہنچی دکھائی دیتی ہے۔ خون مسلم ہر جگہ پانی سے بھی ارزال ہے۔ پہلے صرف کشیر و فلسطین اور افغانستان کے مظلوم اہل ایمان کے لیے دعاۓ رحم ہوتی تھی، اب مصر، شام، عراق، یمن، یمنیا، بنگلہ دیش، ارakan، سری لنکا، سلطی افریقا، صومالیہ اور ماوراء قفقاز، یعنی فہرست طویل سے طویل ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پہلے صرف اغیار کے قبضے اور استعمار کے مظالم کے خلاف دعا میں ہوتی تھی، اب خود مسلمان حکمران اور ان کے مسلح لشکر، کفار کے مظالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔

گذشتہ صدی کے آغاز میں بھی عالم اسلام کی بندراں کی گئی تھی، تقریباً ۱۰۰ سال گزرنے کے بعد اب مقسم کو مزید تقسیم کرنے کا عمل تیز تر کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۱۵ء-۱۹۱۶ء کے درمیان فرانسیسی وزیر خارجہ فرانسوا جارج پیکو اور برطانوی وزیر خارجہ مارک سانکس نے مشرق و سلطی کو ذاتی جا گیر کی طرح بانٹ لیا۔ شام اور لبنان پر فرانسیسی، عراق اور خلیج پر برطانوی قبضہ ہو گیا۔ مشرقی اردن اور فلسطین بھی برطانوی نگہداری میں دیے گئے، لیکن چونکہ فلسطین کو اسرائیل میں بدلنا تھا، اس لیے ساتھ ہی وضاحت کی گئی کہ اس ضمن میں اعلان بالفور (Balfour Declaration) مانندہ عالمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۱۳ء

پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو جاری ہونے والے اس منحوس ڈکٹریشن میں پوری ڈھنڈتی سے لکھا تھا:

His Majesty's Government view with favour the establishment in Palestine home for the Jewish people.

شادِ معظم کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے لیے وطن بنانے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔

خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور تقسیم و سلطنت کے بعد خود تو ان استعماری طاقتوں کو جانا ہی تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلے گئے، لیکن جاتے جاتے اکثر مسلم ممالک میں فوجی آمر اور اپنے غلام حکمران بٹھا گئے۔ ایسے حکمران کہ جنہیں ریبوٹ کثروں کے ذریعے، جہاں اور جیسے چاہا استعمال کیا جاسکے۔ گذشتہ پوری صدی امت مسلمہ نے استعماری طاقتوں کے کاشت کردہ ان زہر میلے بیجوں کی تلخ فصلیں کاٹی ہیں۔ وسائل کے انبار ہونے کے باوجود عوام بھوک اور نگاہ کا شکار رہے ہیں۔ ۳۰، ۳۰ اور ۳۰، ۳۰ سال مندرجہ اقتدار پر برا جہاں رہنے کے بعد جب بعض حکمرانوں سے نجات حاصل کی گئی تو معلوم ہوا کہ، قوم کے آربوں ڈالر خود ہڑپ کی بیٹھے تھے یا پھر ان قیمتی وسائل کا تمام تر فائدہ استعمار اور اس کی پالتوریا ست اسرائیل کو پہنچا رہے تھے۔

پوری صدی کا حساب کرنے کے لیے دیگ کے صرف چند دنے ملاحظہ کر لیجیے:

تو انائی کے نگین بحران سے دو چار ملک مصر نے، صرف ۲۰۰۸ء سے فوجی آمر حسنی مبارک کی برطانیہ تک تین سالہ مدت میں اسرائیل کو صرف ڈیڑھ ڈالر فی یونٹ کی قیمت پر گیس فروخت کی۔ اسی عرصے میں گیس کی عالمی قیمت ۱۲ سے ۱۶ ڈالر فی یونٹ رہی۔ حسنی مبارک نے اپنے ایک نمک خوار حسین سالم کے ذریعے EMG نامی کمپنی کے ذریعے مصر کو اس ایک سودے میں صرف ۱۱ ارب ڈالر کا نقصان پہنچایا۔ صدر محمد مریزی کے ایک سالہ دور میں اس نام نہاد کمپنی اور حسین سالم پر مقدمہ چلا اور کمپنی پر پابندی لگائی گئی۔ حالیہ فوجی انقلاب کے بعد حسین سالم اور کمپنی دوبارہ فعال ہو گئے ہیں۔ اب انھوں نے اٹھاریا ست کے خلاف مقدمہ قائم کرتے ہوئے ۸ ارب ڈالر ہرجانے کا دعویٰ کر دیا ہے۔

تیونس کو ہمیشہ اقتصادی ترقی اور خوشحالی کی روشن مثال قرار دیا جاتا رہا ہے۔ تیونس میں اقتصادی ترقی ثابت کرنے کے لیے عالمی رپورٹیں جاری کروائی گئیں۔ معلوم ہوا کہ اس کا پورا اقتصادی ڈھانچا زین العابدین بن علی اور ان کی اہلیہ کے رشتہ داروں کے ہاتھوں جکڑا ہوا تھا۔ خوش نمائی رپورٹوں کی تیاری میں شرکیں ایک عالمی ماہرا اقتصاد، بوب ریکرز نے حال ہی میں اعتراف کیا ہے کہ وہ ساری عالمی رپورٹیں جعلی اور نام نہاد ترقی ایک سراب تھی۔ بن علی کے دور اقتدار کے صرف آخری ۱۰ ابرسوں میں سرمایہ کاری کے قانون میں ۲۵ مرتبہ ترمیم کی گئی۔ ان سب ترمیم کا اکلوتا مقصد، اقتصادی ڈھانچے پر خاندانی اجراہ داری کا استحکام تھا۔ بن علی کو خصت ہوئے تین برس سے زائد عرصہ گزر گیا اور جاتے ہوئے دولت کے انبار ساتھ بھی لے گیا، لیکن اب بھی آئے روز ذاتی دولت و کاروبار کے نئے سراغ مل رہے ہیں۔ ۳۷ بیک اکاؤنٹ اور ۵۵۰ ذائقے جایدادیں دریافت ہو چکی ہیں۔ کئی خفیہ ذاتی گھروں میں ڈالروں کے ڈھیر گئے میں کئی ماہ کا عرصہ لگا۔ ابھی کرپشن کے سارے راز افشا نہیں ہو سکے، اور اب ایک بار پھر سابقہ حکمران ٹو لے کا اقتدار بحال کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

مصر میں جزل سیسی کے خونی انقلاب کے فوراً بعد تیونس میں بھی سابقہ نظام کے کل پرزوں نے عالمی سرپرستی میں واپسی کا عمل شروع کر دیا تھا۔ اپوزیشن رہنماؤں کے قتل، مسلخ اسلامی دھڑوں کی اچانک تیز ہوتی ہوئی کارروائیوں اور دستور ساز اسمبلی کے اندر مسلسل بحرانوں کا سلسہ چل نکلا تھا۔ اگر اس موقعے پر تحریک نہ پھست سیاسی بصیرت سے کام نہ لیتی، تو اب تک تیونس کو بھی خون میں نہلا یا جا چکا ہوتا۔ یہاں ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ضروری ہے جو ایک پر اپیگنڈے کی صورت میں الاخوان المسلمون مصر اور تحریک نہ پھست تیونس کے بارے میں اکثر پھیلاتی جاتی ہیں: اخوان کے بارے میں یہ کہ انہوں نے ضرورت سے زیادہ سختی اور عجلت دکھائی اور تحریک نہ پھست کے بارے میں یہ کہ انہوں نے بہت سستی دکھائی اور اقتدار کی خاطر مدد و نیت بر تھے ہوئے بنیادی اصولوں پر سمجھوتا کر لیا اور شریعت ہی سے دست بردار ہو گئے۔

یہ دونوں الزامات محسن تھہت ہیں، جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ دونوں تحریکیں حکمت، احتیاط اور ثابت قدمی سے چلیں۔ دونوں کے خلاف پہلے روز سے سازشوں کا آغاز ہو گیا۔ لیکن ایک تو تیونس

کے پڑوس میں کوئی اسرائیلی ناسو نہیں تھا اور دوسرے وہاں کی فوج کو بھی براہ راست اقتدار کا چکا نہیں لگا، اس لیے اسے مصر نہ بنا�ا جاسکا۔ تحریک نہضت کو حاصل و سبع عوامی تائید اور دستور ساز اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل ہونے کے باوجود، انھیں اپنے دو وزراء عظیم اور بالآخر حکومت سے تو دست بردار ہونا پڑا، لیکن جناب راشد الغوثی کے الفاظ میں: ”هم نے اقتدار کھود دیا لیکن ملک کو پہلا متفق علیہ دستور دے کر ملک و قوم کو جیت لیا“۔ تیونی دستور یقیناً کوئی مثالی دستور نہیں، لیکن اس سے ایک ایسی بنیاد ضرور فراہم ہو گئی ہے جس پر ایک ”خوش حال، آزاد، اسلامی ریاست“ کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اب آئندہ نومبر میں وہاں پہلے پارلیمانی انتخاب ہونا ہیں اور دسمبر میں صدارتی۔ بعض اندر وہی ویرونی و قوتیں، انتخاب کا التوا اور عبوری حکومت کا امتداد چاہتی ہیں، لیکن اب تک کے واقعات کی روشنی میں یہ موقع بجا طور کی جاسکتی ہے کہ سازشی عناصر ان شاء اللہ ناکام رہیں گے۔

تیونس میں مصری تجربہ دہرانے جانے میں پچھا ہٹ کی ایک وجہ یہ بھی ہی کہ پورا ایک سال گزر جانے اور بعد تین سفaka کیت کی باوجود، مصری فوجی انقلاب کامیاب نہیں ہو سکا۔ ظاہر تو وہ اپنا دستور بھی لے آئے، جزئی سیسی کو نیا حصہ مبارک بھی بنادیا گیا، لیکن مصر میں طوع ہونے والا ہر دن اس کے لیے ایک نئی مصیبت لے کر آتا ہے۔ اخوان کے ۸ ہزار سے زائد شہدا، ۲۳ ہزار سے زائد گرفتار اور اتنی ہی تعداد میں کارکنان روپوش یا لاپتا ہیں۔ مصر کی نام نہاد عبداللہ، درجنوں نہیں سیکڑوں کی تعداد میں چنانی کی سزا میں سناری ہیں، لیکن یہ بات حلفیہ دعوے اور کامل یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ خونی انقلاب کے خلاف عوامی تحریک میں ایک دن کا توقف بھی نہیں آیا۔ اخوان کے کارکنان ہی نہیں، امریکی اور مغربی تجربہ نگار بھی مسلسل اعتراف کر رہے ہیں کہ فوجی انقلاب کو بالآخر خصت ہونا ہو گا۔

سیسی حکومت سے عوامی بیزاری کا تازہ ترین مظہر وہاں کا حالیہ صدارتی انتخابی ڈراما بھی ہے۔ بھرپور ابلاغیاتی مہم اور پوری سرکاری مشینزی استعمال کر لینے کے باوجود، دو روز تک جاری رہنے والی پولنگ ختم ہوئی، تو حکومتوں صفوں میں ہر طرف صفت ماتم بچھ گئی۔ درجنوں ٹی وی چینیوں پر بیٹھے رنگ برلنگ تجربی کار، عوام کو بالفعل گالیاں دینے لگ گئے کہ وہ اپنے ”نجات دہنہ“ سیسی کو

ووٹ دینے کیوں نہیں نکلے۔ ذرا غیر جانبدار میڈیا کا معیار ثقاہت ملاحظہ کیجیے: ”عوام جتوں کے مقابل ہیں،“ پہلے انھیں کمر پر پڑتے تھے، اب ان کے سروں پر جوتے برسانے چاہیں،“ ”جو لوگ فیلڈ مارشل عبدالفتاح سیسی کو ووٹ ڈالنے نہیں نکلے، ان کی ماوں نے انھیں تمیز ہی نہیں سکھائی،“ ”اگر جزل سیسی کو ووٹ دینے نہ نکلے تو تاریخ کی بدترین خوب ریزی ہوگی۔“ پھر اسی دوران میں اچانک اعلان ہوا کہ ووٹنگ کے لیے ایک روز مزید بڑھا دیا گیا ہے۔ وہی میڈیا جو آہ و بکا کر رہا تھا، اگلی شام خوشی کے شادیا نے بجانے لگا کہ ۲۶ فنی صد ووٹ ڈالے گئے، جن میں سے ۷۹ فنی صد نے جزل سیسی کو صدر منتخب کر لیا۔ مصری عوام نے اس موقع پر معروکہ **الستناهية اللاؤبية** (خالی صندوق پر کام مرکر کر لیا) اس معرکے میں وہی غالب رہے اور ووٹوں کا تناسب زیادہ سے زیادہ ۱۲۵ سے ۱۵۱ فنی صدر رہا۔

انتخاب کی طرح ان کے جشن فتح کی مثال بھی نہیں ملتی۔ نتائج کا اعلان کرنے کے بعد میدان تحریر میں رات بھر رقص و شراب نوشی جاری رہی۔ اس دوران خواتین اور بچپوں سے بدلسوکی ہی نہیں، عصمت دری تک کی گئی۔ ایک خاتون صحافی کو جو اپنی بیٹی کے ہمراہ اپنی صحافتی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے وہاں تھیں، پورے مجھے میں مادرزاد عربیاں کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اتنا بدنماداغ ہے کہ صدارتی حلف اٹھانے کے بعد جزل سیسی نے خود ہبہ تال جا کر متاثرہ خاتون کو گلدستہ پیش کرتے ہوئے، سانچے کی شدت کم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن خواتین سے بدلسوکی اور انھیں ہر اس کرنا اب مصر کی بدترین شناخت بنتی جا رہی ہے۔ شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ”جبیسا راجا، ویسی پرجا“۔

یہ سانحہات و جرائم حکمرانوں کا تعارف تو کرواہی رہے ہیں، ان کی وجہ سے عالمی طاقتیں بھی مسلسل بے نقاب ہو رہی ہے۔ مصر اور شام میں صدارتی انتخابی ڈرامہ ہو یا بگلہ دلیش کے ڈھکوسلا انتخابات، جمہوری اقدار کی دعوے دار قتوں نے ان کی حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود آنکھیں موندی ہیں اور زبانیں گلگ کر رکھی ہیں۔ یہی عالم اور پالیسی حقوق انسانی کی توبین کے بارے میں ہے۔ میدان تحریر میں خواتین کی بے حرمتی ہو، شامی مہاجر کیپوں میں دم توڑتی بچیاں ہوں یا بگلہ دلیش میں ۲۰ سال سے ۲۲ سال کی عمر کی درجنوں طالبات کی اس الزام میں گرفتاریاں ہوں، کہ ان

سے حکومت مخالف سکر برآمد ہوئے ہیں، دنیا کی کسی مالاہ فین، این جی او یا حکومت کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان کے خلاف آواز اٹھائے۔

نام نہاد مصری عدالتون نے چند منٹ کی کارروائی کے بعد ۲۳ مارچ کو ۵۲۹ رافراڈ کو سزاۓ موت سنادی، مہذب، دنیا نے خاموش رہ کر اس جرم میں شرکت کا ارتکاب کیا۔ عالمی روپیے نے قاتل نظام کی حوصلہ افزائی کی، عدالتون نے ۲۸ اپریل کو دوبارہ غصب الہی کو دعوت دیتے ہوئے ۷۰۰ مزید افراد کو چھانسی کی سزا سنادی۔ ۱۹ جون کو مجرم نجح پھر گویا ہوا، اخوان کے مرشد عام سمیت ۱۴۲ امرکری قائدین کو سزاۓ موت سنادی۔ ۲۱ جون کو مرشد عام سمیت ۱۵۰ افراد کو دوبارہ سزاۓ موت سنادی۔ لیکن دنیا یوں اندر گی بہری گوگی بنی ہوئی ہے کہ جیسے انسانوں کو چھانسیاں نہیں دی جا رہیں، کیڑے مکوڑوں سے نجات حاصل کی جا رہی ہے۔

چھانسی اور عمر قید کی سزاوں کی فہرست طویل ہے اور مزید طویل ہوئی جا رہی ہے۔ جس طرح یہ قائدین اور کارکنان سزا سنانے والے بھوک کے فیصلے سن کر ہنستے مسکراتے اُحیں کائنات کے حاکم اور منصف مطلق کی عدالت میں جمع کروادیتے ہیں، بہت ممکن ہے کسی روز اسی طرح ہنستے مسکراتے چھانسی کے پھندے چوتھے دربار خداوندی میں بھی جا پہنچیں، لیکن وہ حقوق انسانی کے دعوے.... آربوں کے بجٹ... مہذب اور ترقی یافتہ ہونے کے دعوے...؟ امریکی وزیر خارجہ نے ۲۱ جون کو قاہرہ جا کر جزل سیسی حکومت کے لیے ۷۰ ملین ڈالر امداد بحال کر کے شاید اسی سوال کا عملی جواب دیا ہے۔ لیکن اصل جواب کائنات کے رب کی عدالت سے آنا ہے اور یقیناً آنا ہے، فَإِنَّنَّهُ لَوْمَاءُ الْمَايِّدَةِ مَعَكُفٍ مِّنَ الْفَنَّطِيلِ ۝۵ (اعراف: ۷۱)، ”اب تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں“۔

### تفصیل منقسم

اگست ۱۹۹۰ء میں عراقی امر مطلق صدام حسین کی حماقت کی آڑ میں خلیج میں در آنے کا قدیم امریکی منصوبہ مکمل ہوا، تو امریکی صدر بش کے باپ صدر بش نے ایک جملہ کہا تھا کہ ”اب خاکِ دجلہ و فرات سے ایک نئی تہذیب، نیا عالمی نظام جنم لے گا“، لعلی، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی پہلوؤں سے، اس نئی تہذیب اور نئے عالمی نظام کے کئی تعارف ہیں، یہاں صرف ایک مثال دی

جاری ہے۔

۱۹۹۱ء میں امریکی سرپرستی میں اقوام متحده کی قرارداد کے ذریعے عراق کے پورے کرد علاقے کو 'خصوصی حیثیت' دے دی گئی۔ قرارداد بظاہر بڑی مقصوداً ہے، تاثر یہ دیا گیا کہ کرد آبادی کو احساس محرومی سے نجات دیے اور صدام حسین کی عرب قوم پرستانہ پالیسیوں سے محفوظ کرنے کے لیے اقوام متحده نے عظیم خدمت انجام دی ہے۔ لیکن اس بے ضرر قرارداد کے اصل زہریلہ پچل اب پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ تقریباً ایک تہائی علاقے پر مشتمل عراق کا کرد علاقہ، اب تقریباً الگ ریاست کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ تیاری کامل، فضاسازگار اور سب متعلقہ فرقیں ہمہ تن گوش ہیں کہ کسی بھی لمحے علیحدگی کا بغل بجا دیا جائے گا۔ ۲۵ جون کو امریکی وزیر خارجہ کے دورے کے موقع پر اسرائیلی وزارت خارجہ کے ذمہ دار ان نے بھی اسے 'اطلاع' دے دی ہے کہ کردستان ریاست کا اعلان کسی بھی گھڑی ہو سکتا ہے اور یہ کہ اسرائیل اس نئی ریاست کو تسلیم کرنے والے اولیں ممالک میں سے ہو گا۔ کردستان کا الگ ریاست بنادیا جانا، صرف عراقی کردستان تک ہی محدود نہیں رہے گا۔ ایران، شام اور ترکی میں موجود کرد آبادی کو بھی کھیل وہاں بھی کھیلا جائے گا، خواہ اس کھیل کے لیے ان ممالک کو کتنا ہی عرصہ حالت بیگانگ میں رکھنا پڑے۔

عراق پر امریکی قبضے کے فوراً بعد جو عبوری حکومت تشکیل دی گئی، اسی میں عراق کو ٹکڑوں میں بانٹنے کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ حکومت کی تشکیل، ایک ملک کے شہریوں کی حیثیت اور صلاحیتوں کی بنیاد پر نہیں، مختلف مذہبی، علاقائی اور نسلی گروہوں کے لیے تابع کی بنیاد پر کی گئی۔ شیعہ، سُنّی اور عرب، کرد اور ترکمان کی تھباتی تقسیم گھری کرتے ہوئے، عراق میں خون کے وہ دریا بہائے گئے کہ الامان الحفیظ۔ لیکن گزار امریکی شہریوں کے آریوں ڈالا اور ہزاروں امریکی شہریوں کی جانیں، عراقی الاؤ میں جھوٹنے کے بعد بظاہر تو امریکی افواج عراق سے بھاگ گئیں، لیکن امریکا عملہ اب بھی وہاں موجود ہے اور اب بھی اسی کا ایجاد نافذ ہو رہا ہے۔ تیل کی بندر بانٹ بھی اسی ایجاد کے ک حصہ ہے۔ صوبہ کردستان اور مرکزی حکومت میں ایک جھگڑا تیل سے مالا مال کر کوک، شہر پر قبضہ کا بھی تھا۔ حالیہ واقعات کے فوراً بعد کرد فوج 'بیشمکہ' نے یہ کہتے ہوئے کر کوک پر قبضہ کر لیا کہ

اسے 'داعش' سے خطرہ ہے۔ دوسری طرف 'بیجی' میں واقع عراق کی سب سے اہم آئندہ ریفارمیری پر اہل سنت فورسز کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ اس طرح ایک ملک کے بجائے اب عراقی تیل تین قوتوں کے قبضہ اختیار میں ہے۔ تین نسبتاً کمزور مالکوں کے ساتھ سودے بازی میں عالمی قوتوں کو آسانی ہو گی۔

عراقیوں کو باہم قتل و غارت کی دلدل میں اتارنے کا سب سے مہلک ہتھیار شیعہ سنی کی آگ بھڑکانا تھا۔ یہ درست ہے کہ اس سلسلے میں طرفین نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن حکومت و اقتدار میں ہونے کے باعث شیعہ آبادی کا پلہ بھاری رہا۔ اس آگ کو بھانے کے لیے اسلامی جمہوریہ ایران جیسے پڑوی ملک کا کردار بہت مؤثر ہو سکتا تھا، لیکن بد قدمتی سے صرف یہ کہ ایسا نہیں ہوا۔ کا بلکہ عراقی عوام نے ہر قدم پر محسوس کیا کہ ایران جیسے اہم ملک کا تمام تر وزن و نفوذ، ان کے بجائے متعصب عراقی حکومت کے پلڑے میں ہے۔ کہنے والوں نے تو اس ضمن میں بہت ساری دستاویزات و حقائق پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عراق کی اصل حکومت تہران سے چلانی جا رہی ہے۔

انہائی مسموم ابلاغی یلغار اور گہرے احساس محرومی کی وجہ سے عراق کے اہل سنت اکثریتی علاقوں میں گذشتہ تقریباً ڈیڑھ برس سے پہلے عوامی احتجاج جاری تھا۔ بڑے چھوٹے شہروں میں کسی ایک جگہ مشترک نماز جمعہ ادا کی جاتی اور پھر دھنوں، ریلویوں کے ذریعے مطالبہ کیا جاتا کہ "اہلسنت آبادی کو جینے کا حق دیا جائے"۔ ادھر بغداد سمیت مختلف عراقی شہروں میں بم دھماکوں، اندر حادھنڈ فائرنگ اور آتش زنی کے واقعات کے ذریعے وسیع پیمانے پر شیعہ اور سنی آبادی کے قتل عام میں تیزی پیدا کر دی گئی۔ اقوام متعدد کی روپرٹ کے مطابق صرف حالیہ ماہ جون کے دوران، عراق میں ۲ ہزار سے زائد شہری قتل یا زخمی ہوئے (اصل تعداد یقیناً زیاد ہے)۔ اس پوری فضائیں اچانک اہل سنت اکثریتی علاقوں میں بعض مسلح گروہ اٹھے اور انہوں نے وہاں سے عراقی افواج کو بھگاتے ہوئے وسیع و عریض علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

عالمی ذرائع ابلاغ نے اس پوری کارروائی کو 'داعش' نامی تنظیم سے منسوب کیا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس علاقے کی پوری آبادی کا مشترک عمل ہے، جس کا سامنا کرنا نوری الماکی

انتظامیہ کے بس میں نہیں۔ اگرچہ اس پوری کارروائی میں نمایاں حصہ داعش کا دکھائی دیتا ہے، لیکن کرد صدر مسعود بارزانی کے بقول اس میں داعش کا حصہ ۰۰ انی صد سے زیادہ نہیں ہے۔ صدام فوج کی سابق افواج، مسلح قبائلی لشکر اور عام آبادی سب ان واقعات میں شریک ہیں۔ عراقی فوج کو نکالنے کے بعد پہلے ہی دن صدام حسین کی تصاویر اٹھا کر مظاہرے، اور پھر صدام کو سزا موت سنانے والے حج کو چھانسی داعش، کی نہیں انھی دیگر گروہوں کی سرگرمیاں ہیں۔ باقی تمام، عناصر کو چھوڑ کر صرف داعش، کا نام نمایاں کرنے کے اپنے مقاصد ہیں۔

### الدولۃ الاسلامیہ فی العراق و الشام، (داعش) یا Islamic State in Iraq and the Levant، (داعش) یا

(ISIS) & Syria کی حقیقت ایک معملا ہے۔ مسلح تنظیم گذشتہ کئی ماہ سے شام میں کارروائیاں کر رہی ہے۔ اسے آغاز میں وہاں کی 'القاعدہ' کا نام دیا گیا۔ لیکن خود ایمن الطوہری سمیت القاعدہ قیادت نے اس سے اپنی برآٹ کا اعلان کر دیا۔ اب اس کے بارے میں مختلف متصاد دعوے کیے جا رہے ہیں۔ اس کے پیچھے سعودی عرب، امریکا، ترکی حتیٰ کہ خود ایران کا ہاتھ ہونے کے دلائل دیے جاتے ہیں۔ باعث حیرت امریہ ہے کہ داعش، کو سب ممالک اپنا دشمن اور خلطے کے لیے بڑا خطہ قرار بھی دیتے ہیں، لیکن اس کی کارروائیوں اور کامیابیوں پر ان کی غیر علانية طمانتی بھی چھپائے نہیں چھپتی۔ داعش، اگر عراق میں نوری المالکی فورسز سے بر سر پیکار نظر آتی ہے، تو شام میں نوری المالکی کے ہم زاد بشار الاسد کے مخالف مراجحتی گروہوں سے بھی جنگ کر رہی ہے۔

اس غبار آلودم نظر کا سب سے خطرناک پہلو عراق ہی نہیں پورے خلطے میں سنی شیعہ تقسیم کا گہرا اور سیکھیں تر ہو جانا ہے۔ تعصب فرقہ وارانہ ہو یا نسلی، علاقائی اور لسانی، رحمۃ للعالیمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بد بودار مردار قرار دیتے ہوئے، اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ الحمد للہ، عالمی اسلامی تحریکات ان سارے بتوں کی پرستش سے پاک ہیں۔ یہاں بیان کردہ حقائق بھی صرف تصویر کو مکمل طور پر دیکھ سکنے کے مقصد سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

اسی بنیاد پر الاخوان المسلمون سمیت اکثر تحریکات نے اس امر پر گہری تشویش ظاہر کی ہے کہ حالیہ صورت حال کے بعد عراق کے اعلیٰ ترین شیعہ مرجع آیت اللہ سیستانی کی طرف سے شیعہ آبادی کے لیے نفیر عام نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ وزیر اعظم نوری المالکی نے بھی غالب

شیعہ اکثریت رکھنے والی عربی فوج کے ہزاروں افسروں اور سپاہیوں کو فارغ کرتے ہوئے متبادل فوج، کے نام سے فرقہ ورانہ میلیشا تیار کر کے دشمن، ہی کا کام آسان کیا ہے۔ فریقین کو یہ حقیقت بخوبی معلوم بھی ہے اور یاد بھی رکھنا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے نہیں مٹا سکتے، لیکن اس کے باوجود کوشش اور اعلانات دونوں کے بھی بیس۔

ٹھیک ۱۰۰ برس قبل اور آج رونما ہونے والے واقعات پر غور کریں تو حیرت انگیز مہماں تک دکھائی دیتی ہے۔ دشمن کی چالیں اور ہتھکنڈے بھی وہی ہیں اور اپنوں کی جماعتیں اور جرام بھی وہی۔ تب بھی مغربی استعمار کا ہدف عالم اسلام کو تقسیم و تباہ کرنا تھا۔ تب بھی اس کے اصل آل کار، حرص اقتدار کے شکار حکمران تھے، اب بھی اس کا ہدف اور آہ کار یکساں ہے۔ رابطے کے نیز رفتار وسائل، ذرائع ابلاغ کے مہیب جاں اور ہتھیاروں کے مزید مہلک پن نے اسے اور اس کے غلاموں کو مزید غرور و سفا کیتی میں بیٹلا کر دیا ہے۔ گویا تاریکی اور شدائد عدوں کو جا پہنچے ہیں۔

کامیابی کا حقیقی تعین کرنے والی کائنات کی سب سے سچی اور اللہ کی آخری کتاب کا مطالعہ کریں تو گاہے ہیرت ہونے لگتی ہے، ظلم و ستم اور عذاب و آزمائش کے تنگین ترین لمحات ہی نصرت و نجات کا آغاز ثابت ہوتے ہیں۔ ابتلاء کے عروج پر بھی خالق نے اپنے سچے پیر و کاروں کو امید اور عطا کی ہی بشارت دی ہے۔ تنگی اور عسر کے بعد نہیں، تنگی اور عسر کے ساتھ لگی ہوئی یسرا اور آسمانی کی نوید سنائی ہے۔ انسان کو اس نے چونکہ کمزور (شیعیفَا) اور گھبرا جانے والا (مُهْلِوْعَا) بنایا، اس لیے ایک بار نہیں، دو بار فرمایا: فَإِنَّمَا مَعَ الْعُسُرِ يُسْرٌ وَمَعَ الْأَسْرِ يُسْرٌ ۝۵ (الم نشرح ۶-۵:۹۲) ”پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔“ اس کے عملی مشاہدے قرآن کریم میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں:

• آدم ثانی، حضرت نوح علیہ السلام ۹۵ برس (الْأَلْفَ سَنَةٌ مِّلَلًا نَّفَسِيَرَ عَامًا - العنكبوت ۱۲:۲۹) قوم کو دعوت دیتے رہے، لیکن اس نے مان کر نہ دیا، تو پکارا ٹھے: زَيْدَ أَنَّهُ مَغْلُوبٌ فَإِنَّتِي (القمر ۱۰:۵۲) ”پرور دگار میں مغلوب ہو گیا مدد فرمًا۔“ تب انھیں بھی معلوم نہ تھا کہ اس پکار کے جواب میں خالق بے نیاز ان کی مدد کرتے ہوئے، پوری روے زمین کو غرق کر دے گا، صرف وہ اور ان کی کشتی میں سوار مخلوق ہی باقی رہے گی۔

● بڑھاپے کو پہنچے ہوئے ابوالاغبیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، ایک کے بعد دوسری آزمائش میں سرخ رو ہوتے ہوئے، جب آخر کار انہی لخت جگر کی گرد پر بھی چھری رکھ دیتے ہیں، تو شہرگ عزیز از جان بیٹھ کی نہیں، جنت سے بھیجے مینڈھے کی کلثی ہے۔ آزمائش اتنی کڑی اور کامیابی اتنی بڑی تھی کہ پھر قربانی کا یہی عمل تاقیامت دہرائے جانے کا حکم دے دیا گیا۔

● ساری آزمائشوں سے گزرنے کے بعد، رات کی تاریکی میں، سردی سے ٹھہر تے، بھوک سے بے تاب موئی علیہ السلام اہل خانہ کے لیے آگ تاپنے کا انتظام کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔ انھیں ایک لمحے کے لیے بھی خیال نہ آیا تھا، کہ پوری کائنات کا مالک رب ذوالجلال خود ہم کلام ہوتے اور نبوت عطا کرتے ہوئے ”کلیم اللہ“ کا لقب عطا کرنے والا ہے۔

● ایمان کی حفاظت کرتے یوسف علیہ السلام نے دبیت السجدُ اَخْبَرَ اللَّهَ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ (یوسف: ۳۳: ۱۲) ”اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں“۔ پکارتے ہوئے قید کو ترجیح دی۔ سال پر سال گزرنے لگے۔ نجات کا لمحہ آیا تو رب ذوالجلال نے کسی اشکر، عذاب یا طوفان کے ذریعے نہیں، بادشاہ کے ایک خواب کے ذریعے، کال کوٹھڑی سے نکال کر اقتدار مصروف عطا کر دیا۔

● حزن والم کے شکار اور روکر بیٹائی تک سے محروم ہو جانے والے یعقوب علیہ السلام نے اِنَّمَا أَشْكُونَا بِشَدَّةٍ وَ تُذَبَّدَ إِلَلَهُ (یوسف: ۸۶: ۱۲) ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا“، پکارا، تو عزیز و قدر بر پروردگار نے بیٹائی بھی لوٹا دی، بیٹھے سے بھی ملا دیا اور پورے کنبے کو خوش حالی عطا کرتے ہوئے یک جا کر دیا۔

● خود رسالت مآب رحمۃ للعلیین رخ حزن کے عالم اور رات کی تاریکی میں بستر پر لیٹے ہیں۔ ایک ہی سال (عام الحزن) میں ڈھال بنے چچا حضرت ابوطالب اور سچی رفیقة حیات حضرت خدیجہؓ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ تو جان کے درپے تھے ہی، اہل طائف نے بھی اہلہ ان کر دیا تھا۔ پروردگار نے انسانی تاریخ کا انوکھا اعزاز نصیب فرمادیا۔ مکہ سے مسجد اقصیٰ اور پھر ساتوں آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے رب کائنات سے براہ راست مناجات کا اکلوتا واقعہ روپیز ہوتا ہے۔

پوری سیرت انبیاء اور تاریخ انسانی ایسی ہی مثالوں سے معمور ہے۔ یہی نہیں خالق نے پورے کارخانہ قدرت میں بھی اسی سنت کو نافذ کیا ہوا ہے۔ تاریکی عروج پر پہنچتی ہے تو سپیدہ سحر طلوع ہونے لگتا ہے۔ جس انہا کو پہنچے، تو اب کرم جہنم کے آتا ہے، کٹھالی میں جتنا کھولا یا جائے، آلاشیوں سے اتنی ہی نجات ملتی ہے۔

آج بھی رحمت خداوندی کے علاوہ سب در بند و کھانی دیتے ہیں۔ ایسے میں امید کی کرن تعصبات سے پاک، بے لوٹ و مغلص اہل دین اور انھی اسلامی تحریکات کو بننا ہے، جنہوں نے گذشتہ صدی میں تجدید و احیاے دین کا فریضہ انجام دیا۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاتی تھی، آج وہ لاکھوں میں ہیں۔ حلقوں یاراں ہو، یعنی اپنے ہم وطن مسلمانوں میں کام کرنا ہو تو یہ تحریکات ہزاروں شہدا اور اسی پیش کر کے بھی پُر امن رہتی ہیں۔ دعوت و تربیت اور پُر امن سرگرمیوں پر اکتفا و انحصار کرتی ہیں۔ لیکن کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کی طرح استعمار قابض ہو جائے، تو جہاد اور فدا کاری کی ناقابل یقین تاریخ رقم کر دیتی ہیں۔ حقائق اور خود اغیار کی اپنی دستاویزات ثابت کر رہی ہیں کہ آئینہ ۱۰ سے ۱۵ برس انہی کی اہم ہیں۔ عالم اسلام کو تقسیم کرنے کا ایک اہم ہدف اسرائیلی ناجائز ریاست کا دفاع قرار دیا جاتا ہے۔ اب خود اسرائیلی دانش و رسول اٹھا رہے ہیں کہ کیا ہم آئینہ عشرے کے اختتام تک اپنا وجود باقی رکھ سکیں گے؟ غیب کا علم صرف پروردگار عالم کو ہے، لیکن آزمائشیں جتنی بڑھتی جاتی ہیں، **أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ** کی ملکوتی ندا بلند تر ہوتی جا رہی ہے۔

---